ڈاکٹر عبداللہ شحاتہ
ترجمہ: سید محمد کبیر احمد

تاریخِ تفسیر اور مدارسِ مفسّرین

عہدِ رسالت میں آغازِ تفسیر

قرآن حکیم کا نزول حضرت رسول اللہ علیہ وسلم پر تئیس سال کی مدت میں تمام ہوا، جو آپ کی بعثت و رسالت کی مدت ہے۔ وہ چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا تھا اس لیے عرب قوم کے لیے اس کا فہم دشوار نہ تھا۔ اور اس کے اغراض و مقاصد سمجھنے میں بھی اہلِ عجم کی نسبت انھیں آسانی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ مراتب علمی اور مواہبِ عقلی کے تفاوت کی بنا پر وہ اس فہم میں بھی آپس میں متفاوت ہوتے تھے۔ عربیت کی اس اساسی خصوصیت کے علاوہ صحابہ کرامؓ کو قرآن حکیم کے کسی معنی میں جب بھی کوئی دشواری پیش آتی تو وہ حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیتے۔ اور آپ ان کے سامنے معنیِ مراد اور گوہرِ مقصود کی توضیح و تشریح فرما دیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ط

"اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کر دیا تاکہ جو چیز لوگوں کے لیے نازل کی گئی ہے آپ ان کے سامنے اس کی توضیح و تشریح فرما دیں۔ تاکہ وہ (اسی نہج پر) غور و فکر کریں۔"

اس رُو سے سنت مطہرہ کو قرآن حکیم کی تفسیر کے لیے مکلّف کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلم کی تشریح شرک سے فرمانا بھی اسی قبیل سے ہے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عن ابن مسعود۔ قال لما نزلت "الذين امنوا ولم يلبسوا ايمانهم بظلم" شق ذالك على المسلمين فقالوا يا رسول الله فاينا لا يظلم نفسه۔ فقال ليس ذلك انما هو الشرك۔ الم تسمعوا ما قال لقمان لابنه وهو يعظه: يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ الخ تو صحابہ کرامؓ کو بڑی دشواری ہوئی

انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ایسا کون ہے جو اپنے نفس پر ظلم نہ کرتا ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا " اس سے وہ معنی مراد نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ کیا تم نے وہ الفاظ نہیں سُنے جو (قرآن کی زبان میں) حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے کہے ـــــ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ یہاں بھی شرک ہی مراد ہے۔

قرآن حکیم کی نبوی تفسیرات میں سے ہی صلاۃ وسطیٰ کی تشریح صلاۃ عصر سے، کلمہ تقویٰ کی لا الٰہ الا اللہ سے اور یوم حج اکبر کی یوم نحر سے ہے۔ علاوہ ازیں بخاری کی صحیح میں دو مستقل کتابیں ہیں:۔

۱۔ کتاب تفسیر القرآن

۲۔ کتاب فضائل القرآن

جو صحیح بخاری کے ایک معتد بہ حصہ پر حاوی ہیں یعنی پوری کتاب کے تقریباً $\frac{1}{8}$ کے برابر۔ کوئی مسلمان قرآن حکیم سے استفادہ کے لیے بیانِ سنت کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی احکام شرعیہ کے بیان میں اس کے مرتبہ و مقام کی تردید کر سکتا ہے۔ کیونکہ سنت مصادر تشریعی میں مصدر ثانی کی حیثیت رکھتی ہے اور قرآن کریم کی تفسیر کا مرکز اول ہے۔ وہ اس کے مجمل کو واضح، مطلق کو مقید اور عام کو خاص کرتی ہے۔ احکام کی تفصیل بتاتی ہے اور دقائق کی شارح ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرائض و احکام کا بیان نصوص مجملہ کی صورت میں ہے۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کی ترکیب اور تفصیل کا بیان قرآن شریف میں نہیں ہے۔ اسے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قولی و فعلی سنت سے واضح کیا۔ انھوں نے ہی نماز کی رکعتوں کی تعداد، پڑھنے کی کیفیت اور دیگر متعلقات بیان فرمائے۔ زکوٰۃ کے ضمن میں اقسام مالیہ، مقدار واجب اور دیگر متعلقات کی توضیح کی اور حج کے افعال، ان کے ادا کرنے کی کیفیت اور دیگر مناسک بتلائے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں مسلمانوں سے قرآن کریم کے معانی، اس کے اغراض و مقاصد اور اس کی روحِ عامہ، اپنے سفر و حضر، حرب و سلم اور جلوت و خلوت کے دوران بیان فرماتے رہے حتیٰ کہ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ مگر اس سے پہلے ہی آپؐ نے واضح طور پر فرما دیا تھا کہ:

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا۔ کِتَابُ اللّٰہِ وَ سُنَّتِیْ

میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔ یعنی کتاب اللہ اور میری سنت۔

تفسیر عہدِ صحابہ میں

اس دور میں بھی قرآن حکیم مسلمانوں کے لیے مرجع اوّل کی حیثیت اختیار کیے رہا۔ وہ اسے نمازوں میں پڑھتے، جنگوں میں اس کا ورد کرتے اور قیامِ لیل میں دَور کرتے۔ صحابہ کرامؓ کا طریق یہ تھا کہ انھیں جب بھی قرآن حکیم کے کسی لفظ کی تشریح اسی کتاب میں کسی اور جگہ نہ ملتی تو وہ اسے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کیا کرتے تھے۔ اور اگر انھیں سنت میں بھی اس لفظ یا آیت کی تفسیر میں کوئی قول نہ ملتا تو وہ اجتہاد اور رائے و فکر کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس معاملہ میں ان کی مدد ان کے خالص عرب ہونے نے کی۔ وہ عموماً لغت کے معانی و اسرار جانتے تھے۔ اور چونکہ انھوں نے نزول وحی کا زمانہ نبی کریم کے ساتھ گزارا تھا اس لیے آیات کے اسباب نزول سے واقف تھے۔ اور قرآن کریم میں جن ظروف اور ملابس کا ذکر ہے ان سے آگاہ تھے۔ گویا اس دور کی پوری ثقافت عقلی ان کی آنکھوں کے سامنے تھی اور ان کے دماغوں میں روشن۔ یہ چیزیں انھیں قرآن کے فہم اور اس کی نصوص کے مرادی معنی سمجھنے میں بھرپور مدد دیتی تھیں۔ چنانچہ امام الواحدی کہتے ہیں:

لا یمکن معرفۃ تفسیر الآیۃ دون الوقوف علی قصتھا وبیان سبب نزولھا۔

"کسی آیت کی تفسیر کی معرفت اس کے قصہ اور سبب نزول سے آگاہ ہوئے بغیر ناممکن ہے۔"

صحابہ کرامؓ میں جن حضرات فنِ تفسیر میں زیادہ مشہور ہوئے۔ خلفائے اربعہ یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ الاشعریؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ۔

تفسیر عہدِ تابعین میں

عہدِ صحابہ میں فنِ تفسیر کی تدوین نہ ہو سکی۔ جس کی کئی وجوہات تھیں۔ مثلاً عہدِ نبوی کا قرب، قلتِ اختلاف اور ثقات کی طرف رجوع کی عادت۔

جب عہدِ صحابہ ختم ہو گیا اور تابعین کا دور آ پہنچا اس وقت اسلام دنیا میں دور دور تک پھیل چکا تھا۔ اسلامی حدود وسیع ہو چکی تھیں اور صحابہ مختلف ممالک و بلاد میں پھیل گئے تھے۔ کچھ فتنے بھی نمودار ہو چکے تھے اور افکار میں اختلاف ظاہر ہو گیا تھا۔ اکابر کے پاس فتاویٰ کی کثرت ہو گئی اور مسائل فقہ کی دریافت کا زور ہو گیا۔ لہٰذا انھوں نے حدیث، فقہ اور علوم قرآن کی تدوین کا آغاز کیا۔

پہلا شخص جس نے اس دور میں علوم کی تدوین کی طرف توجہ کی اور فنِ تفسیر میں سب سے پہلی تصنیف کی سعید بن جبیر بن ہشام کوفی (المتوفی ۹۵ھ) ہیں۔ وہ تابعین میں فنِ تفسیر کے بہت بڑے عالم تھے۔ ان کے قتل کا داغ بھی حجاج ہی کے دامن پر ہے۔ اولین تفسیر نگاروں میں مجاہد بن جُبیر المکی (المتوفی ۱۰۱ھ) بھی ہیں۔ ایک راوی کا بیان ہے "میں نے مجاہد کو دیکھا کہ جب وہ ابن عباس سے تفسیر دریافت کرتے تھے تو اُن کے پاس الواح ہوتی تھیں۔ چنانچہ ابن عباس کہتے تھے لکھ لو۔ یہاں تک کہ انھوں نے ان سے تفسیر کا سب فن سیکھ لیا۔"

عہدِ تابعین میں مدارسِ تفسیر

عصرِ تابعین میں تفسیر کے مندرجہ ذیل تین مدارس کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

۱- مکّہ کا مدرسہ :

اس سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر حضرت ابن عباس کے تلامذہ ہیں۔ مثلاً ابو الحجاج مجاہد بن جُبیر اور عکرمہ مولیٰ ابن عباس (متوفی ۱۰۰ھ)۔ مجاہد نے اپنے بارے میں بیان کیا کہ انھوں نے ابن عباسؓ سے تیس ۳۰ مرتبہ قرآن حکیم پڑھا ہے۔ ان کی تفسیر پر بخاریؒ و شافعیؒ نے اعتماد کیا ہے۔ عطا بن ابی رباحؒ مکی (متوفی ۱۱۴ھ) اور طاؤس بن کیسانؒ الیمانی (متوفی ۱۰۶ھ) بھی مکہ کے مدرسہ تفسیریہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲- مدینہ منورہ کا مدرسہ :

اس کے اصحاب حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن اسلمؓ (متوفی ۱۳۶ھ) کے تلامذہ ہیں۔ مثلاً ابو العالیہ رفیع بن مہران الریاحیؒ (متوفی ۹۰ھ) اور محمد بن کعب القرظیؒ (متوفی ۱۱۸ھ) وغیرہم۔

۳- عراق کا مدرسہ :

اس کے اصحاب، استاد اہل رائے یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ ہیں۔ چنانچہ اس مدرسہ سے تعلق رکھنے والے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔ مسروق بن الاجدع الکوفی (متوفی ۶۳ھ)۔ اسود بن یزید (متوفی ۷۵ھ)۔ علقمہ بن قیس (متوفی ۱۰۲ھ)۔ عامر الشعبی[1] (متوفی ۱۰۵ھ)۔ قتادہ بن دعامۃ

۱؎ توفی عامر الشعبی ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ العبر ۱/۱۲۷ (المجلہ)۔

السدوسی متوفی (۱۱۷ھ) اور حسن بصری[1] (متوفی ۱۲۱ھ)۔

تفسیر عہدِ تبع تابعین میں

اس دور میں تمام تر توجہ اس وقت تک کے تمام تفسیری سرمایے کو جمع کرنے پر مرتکز کر دی گئی۔ چنانچہ تفسیرِ قرآن کے ضمن میں آثارِ نبوی، آثارِ صحابہ اور آثارِ تابعین سب کو عہدِ تابعین کے مذکورہ بالا تینوں مدارس کے باہمی اختلاف کو جو ان کی مخصوص روایات پر مبنی تھا پیش نظر رکھے بغیر مدون کیا گیا۔ چنانچہ اس فن میں چھوٹی بڑی کثیر کتب تالیف ہوئیں جو ذخیرہ علمی میں سابقہ کتب پر فوقیت لے گئیں۔ اس دور کے مشہور اور سربرآوردہ مفسرین مندرجہ ذیل ہیں۔

مقاتل بن سلیمان البلخی، شعبہ بن الحجاج، سفیان ثوری، وکیع بن الجراح۔ سفیان بن عیینہ، یزید بن ہارون۔ عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی اور امام بخاری۔

امام بخاری کی تفسیر کا ایک مخطوطہ دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے اور دوسرا مکتبہ استنبول ترکیہ میں۔ باقی میں سے اکثر تفاسیر ضائع ہو چکی ہیں اور جو چند تفاسیر میرے علم کے مطابق باقی ہیں مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ تفسیر سفیان الثوری۔ ابھی حال ہی میں ہندوستان میں طبع ہوئی ہے۔

۲۔ تفسیر عبدالرزاق الصنعانی۔ مصر میں طبع ہوئی ہے۔

۳۔ تفسیر مقاتل بن سلیمان۔ میں نے اس تفسیر کو نقاط عالم سے مختلف نسخے حاصل کر کے ایڈٹ کر دیا ہے۔

مدارسِ تفسیر کے خصائص

مکہ اور مدینہ کے مدارس، تفسیر عقلی اور تفسیر ماثور میں امتیاز حاصل کر گئے یعنی آثارِ نبوی، آثارِ صحابہ اور آثارِ تابعین سے تفسیر کرنا ان کی انفرادیت بن گیا۔

تفسیر میں مدرسۂ عراق کا امتیاز رائے عقل، حریتِ فکر اور تاویل کا استعمال ہے۔ اسی لیے عراق کا مدرسہ عقلی تفسیر کے لیے معروف ہو گیا۔ اس کے اصحاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ ہیں جو اصحاب الرائے کے استاد ہیں۔ ان کی یہ خصوصیت تفسیر ہی میں نہیں بلکہ فقہ اور تشریع میں بھی آپ کو نظر آئے گی۔ جہاں امام مالکؒ پر اہل مدینہ کے عمل کا اتباع ان کے مجاور رسول اللہ ہونے کی وجہ

---

[1] توفی حسن البصری ۱۱۰ھ۔ ابن سعد ۷/۱۲۹ (المجلہ)

سے غالب آگیا۔ حضرت ابو حنیفہؒ پر عراق میں عقل و فکر کا استعمال اور شرع کی معقول معانی سے تعبیر غلبہ کر گئی۔ اسی طرح قرآن کریم کی تفسیر میں دو مستقل اور ممتاز مکاتب فکر بن گئے۔ جو آج تک موجود ہیں۔

مدرسہ تفسیر بالماثور

یہ اصحاب تفسیر قرآن میں اپنی رائے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ قرآن حکیم میں اپنی طرف سے بات کہنے کی نسبت آگ میں کود پڑنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس مکتب فکر نے یہاں تک شدت اختیار کی کہ اگر تفسیر قرآن میں قول نبوی میسر نہ آتا تو کچھ بھی نہ کہتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"میں نے فقہائے مدینہ کو مدینہ میں دیکھا۔ وہ تفسیر میں اپنی طرف سے بات کرنے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ مثلاً سالم بن عبداللہؒ۔ قاسم بن محمدؒ۔ سعید بن المسیبؒ اور نافعؒ انہی میں سے ہیں"۔

امام شعبی نے فرمایا "تین چیزوں کے بارے میں میں کچھ نہ ہوں گا حتیٰ کہ مر جاؤں۔ قرآن، روح اور رائے"۔

جو چیزیں مکہ اور مدینہ کے مدارس کے لیے تفسیر بالماثور کے لزوم کا باعث ہوئیں ان میں ان کا مہبط وحی سے قرب، صحابہ کا آسانی سے مل جانا، آثار کے لیے سہولت نقل کا ماحول اور تفسیر قرآن میں ہوائے نفس کی اتباع کا خوف وغیرہ ہیں۔

مدرسہ تفسیر بالمعقول

عراق کا مدرسہ تفسیر بالمعقول میں اس لیے معروف تھا کہ وہ جغرافیائی لحاظ سے موطن وحی سے دور تھا اور ان کے لیے ہر آیت کے لیے رائے ماثورہ کی دریافت ایک مشکل امر تھا۔ خصوصاً اس حالت میں جب کہ اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر نئے علاقوں میں پہنچ چکا تھا۔ جن کے احوال و مواجید مختلف تھے۔ چنانچہ فقہائے عراق اور مفسرین عراق مجبور ہو گئے کہ تفسیر کے میدان میں بھرپور محنت سے اور اجتہاد سے کام لیں۔ اور اس مقصد کے لیے قرآن کے قواعد عامہ اور اہداف اساسیہ پر نظر کرتے ہوئے بطریق نظائر آیات کے فہم میں کوشش کریں۔ آیات قرآنیہ کا یہ فہم عقل فکر اور رائے کے استعمال پر انگیخت کرتا ہے۔ اگر وحی من عند اللہ ہے تو عقل من آثار اللہ ہے اور آثار اللہ نہ باہم ٹکراتے ہیں اور نہ خلط ملط ہوتے ہیں۔ (ما ترٰی فی خلق الرحمٰن من تفوت) ترجمہ (تم خدا کی تخلیق میں فرق اور تضاد نہ دیکھو گے۔) بلکہ قرآن حکیم میں استنباط اور استنتاج کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں :- وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔

اور اگر وہ اسے رسول اور اپنے اولوالامر کے پاس لے جاتے تو اہل استنباط اسے ضرور جان جاتے۔

راقم الحروف کی رائے میں دونوں مکاتب فکر ایک دوسرے کی تکمیل کے لیے از حد ضروری ہیں۔ کیونکہ ہم جب قرآن حکیم کی تفسیر کرتے ہیں تو اوّل تفسیر ماثور پر اعتماد کرتے ہیں۔ پھر قرآن کی قرآن سے تفسیر کی جاتی ہے۔ یعنی ایک آیت میں اگر اجمال ہے تو دوسری آیت میں اسے واضح کر دیا گیا ہے۔ پھر سنت و عمل نبوی سے تفسیر کی جاتی ہے۔ پھر آثار صحابہ و تابعین سے۔ اگر کسی آیت کی نص میں کوئی چیز نہ ملے تو ایک مومن تفسیر میں اجتہاد کرتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کتاب اللہ سے اجتہاد اور استنباط کرنے کا اہل ہو۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علیؓ سے پوچھا "کیا رسول اللہؐ نے اس دین کے معاملہ میں آپ لوگوں کو کسی شے سے مخصوص فرمایا ہے؟ - فرمایا "نہیں۔ خدا کی قسم سوائے اس فہم کے جو اللہ تعالیٰ آدمی کو قرآن حکیم میں عطا فرماتا ہے"۔

افکارِ غزالی : مولانا محمد حنیف ندوی

اس کتاب کو امام غزالی کے شاہ کار "احیاء علوم الدین" کی کامیاب تلخیص اور ان کے افکار پر سیر حاصل تبصرہ کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میں امام نے عقائد اسلامی کا پورا پورا تجزیہ کیا ہے۔ تہذیب اخلاق کے چہرۂ زیبا کو نکھارا اور سنوارا ہے۔ ایمان کی گتھیوں کو سلجھایا ہے اور ان کو فکر و نظر کے نہایت ہی حسین انداز میں پیش کیا ہے۔ عبادات کی روح متعین کی ہے اور ان کی تہ میں جو فلسفہ کارفرما ہے اس کی نشان دہی کی ہے۔ معاملات کی وضاحت اور بحیثیت مجموعی دین کی ایسی دلاویز تشریح کی ہے کہ جس سے الحاد و زندقہ کی تاریکیاں چھٹ کر رہ جاتی ہیں۔

مقدمہ میں فاضل مؤلف نے امام کے حالات و سوانح پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان کے خیالات و افکار کس قدر اہمیت کے حامل ہیں اور علمی و دینی دنیا میں ان کا مقام و رتبہ کیا تھا۔ صفحات ۵۲۶۔ قیمت ۱۰.۷۵ روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ — لاہور